امام جعفر صادق علیہ السلام

''پیغام'' کو ''نظام'' کی صورت میں مدوّن کرنے والے

پروفیسر علی محمد نقوی

ہر پیغمبرؑ اور رسولؐ ہمارے لئے نمونہ و اُسوہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لحاظ سے اور اپنے زمانے کے لحاظ سے کردار کا ایک عملی نمونہ پیش کیا ہے جس کا مقصد ہدایت اور دینی نظام کا اور قیام حق کا دفاع تھا مگر ہر ایک نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے اپنی حکمت عملی کا انتخاب کیا مکتب کی مادی ترقی ارادہ کی حقانیت کا دفاع عدالت کا قیام اور قیام کا تداوم معارف نظام سازی ہے۔

امام صادقؑ کے بارے میں دو طرز فکر موجود ہیں ۔ ایک طرز فکر جو رائج ہو گیا ہے اور مغربی دانشوروں نے بھی اس کے رواج میں کافی سرگرمی دکھائی ہے ۔ یہ طرز تفکر امام جعفر صادقؑ کو ایک ایسے عظیم مفکر کے عنوان سے روشناس کراتا ہے جو خود کو سیاسی سرگرمیوں سے الگ تھلگ رکھ کر درس و تدریس اور شاگردوں کی تربیت میں مشغول رکھتے ہیں ۔ یہ طرز فکر امام کو زیادہ سے زیادہ ''فقہ جعفری'' کے تدوین کنندہ کی حد تک پیش کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کے رائج کرنے والے وہ ہیں جو سماجی اور سیاسی مجاہدہ کے فرائض سے خود کو اور معاشرے کو مستثنیٰ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پچھلے برسوں میں اس فکر کے مقابلے میں بعض انقلابی یا انقلاب نما عناصر کی طرف سے ایک دوسرا طرز فکر پیش ہوا ۔اس کی بنیاد بھی ایک انحراف آمیز طرز فکر پر ہے ۔ ان تجزیات میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ امامؑ صادق کو ایسے سیاسی نبردِآزما کی حیثیت سے پیش کیا جائے جس کا مقصد ہمیشہ ایک سیاسی انقلاب کی تیاری تھا ۔

یہ طرز فکر بھی ایک انحرافی خیال پر مبنی ہے اور یہ امامؑ کے ان کاموں کی قدر کو گھٹا دیتا ہے جن کی بنیاد نظریاتی ہے یا جو تدوین مکتب اور ذمہ دار مومنین بنانے سے متعلق ہے ۔ یہ گروہ معذرت خواہانہ لہجے میں ان تاریخی شواہد کی تاویل اور توجیہہ کرتا ہے یا انہیں بالکل نظرانداز کر دیتا ہے جن سے یہ ثابت

ہوتا ہے کہ امامؑ نے اپنی بیشتر توجہ معارف اسلامی کے پھیلانے پر مبذول کر رکھی تھی۔

ائمہ کی زندگی کے مطالعے کے سلسلے میں صحیح اصول یہ ہے کہ انہیں ہو بہو ویسا ہی پیش کیا جائے جیسے وہ تھے۔ ان کی پیروی اور اپنی فکری اور عملی زندگی کو ان کی سیرت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے، نہ کہ ان کو ایسا پیش کیا جائے جیسا ہم پیش کرنا چاہیں اور ان کی سیرت کو اپنے حسب منشا ظاہر کریں۔

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ امامت کی خدائی بصیرت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ اس زمانے میں ان کی عظیم تر ذمہ داری تدوین مکتب، حقیقی اسلامی عقائد کی بنیادوں کو مستحکم کرنا، معارف اسلامی اور الوہی نظریہ کو پھیلانا ہے۔ ائمہ کا کام محض ایک ''فاضل اسلامیات''، محقق اور دانشور کا کام نہیں ہے بلکہ ایک خدائی رہبر کے فرائض اور اسلامی انقلابی تحریک کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہے۔ نگاہ امامت نے ان پر ظاہر کر دیا تھا کہ ان کی اصل ذمہ داری 'فردسازی' 'معاشرہ سازی' تدوین مکتب اور مومن اور انقلابی عناصر کی پرورش ہے۔

امامؑ نے تاریخی، اجتماعی اور سیاسی ضرورت کے تحت یہ فیصلہ کیا کہ اس زمانے کے کیسانیہ اور زیدیہ فرقوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے مقابلہ کرنے کے بجائے نظریاتی جنگ اور مکتب اسلام کی ترتیب و تدوین اور عوام میں اس کی تبلیغ زیادہ ضروری ہے تاکہ دربار اور حکومت کی تبلیغ کرنے والے اہل بیتؑ کی تعلیمات کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

مکتبی انقلاب کی تحریکوں کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر تحریک کے تین مرحلے ہوا کرتے ہیں: ''پیغام''، ''اقدام'' اور ''نظام''۔ ہر تحریک ابتدا میں ایک پیغام کی شکل میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد اقدام کے مرحلے سے گزرتی ہے اور آخر میں نظام کی صورت میں آجاتی ہے۔ تحریک جب تک پیغام اور اقدام کے مراحل میں رہتی ہے، اس وقت تک 'انقلاب مخالف' قوتوں اور کفر و شرک جیسے خطرات میں گھری رہتی ہے یا بہ الفاظ دیگر اس میں حیات تو ہوتی ہے مگر استحکام نہیں ہوتا۔ طاغوتی اور مخالف قوتیں ابتدائی مراحل ہی میں اس کا گلا گھونٹنے کی فکر میں رہتی ہیں۔ اور جب تحریک کی بنیاد مضبوط، گہری، فکری اور نظریاتی نہیں ہوتی تو طاغوتی قوتیں ''گرمی'' کے ختم ہونے اور شعلوں کے سرد ہونے کی منتظر رہتی ہیں مگر جب پیغام اقدام کے ساتھ ہو اور اقدام ''نظام'' کی شکل اختیار کرلے تو پھر تحریک خطرہ سے خالی ہو جاتی ہے۔

تاریخ اسلام میں بھی اس بات کے کافی ثبوت ملتے ہیں۔

امویوں اور عباسیوں کے دور میں ''کیسانیہ'' (پیروان محمد حنفیہ) اور زید یہ تحریکیں طاقتور ترین انقلابی تحریکیں سمجھی گئی ہیں۔ چونکہ یہ تحریکیں 'عمل زدگی' یعنی عمل کی مار اور کارروائی کی ٹوٹن کا شکار ہوگئیں، 'اقدام نے پیغام کو دبالیا، اور پیغام نظام کی صورت اختیار نہ کرسکا اخر کار یہ تحریکیں تجربہ کا شکار ہوگئیں۔ اسی لئے اموی اور عباسی طاقتوں نے اس تحریک کو صفحۂ روزگار سے محو کر دیا۔

زید یہ تحریک کی حکمت عملی 'عمل زدگی' کی سمت انحراف کا شکار ہوگئی اور 'پیغام' کو نظام کی صورت میں ترتیب دینے کی طرف مناسب توجہ نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید اور ان کے فرزند یحییٰ جنہوں نے اپنی تحریک سے حکومت کو لرزہ بر اندام کر دیا تھا، ان کے زور وشور والے کارنامے طاق نسیاں کی نذر ہو گئے۔ چونکہ زید یہ تحریک کو نظریاتی پشت پناہی اور مستقل فکری بنیاد حاصل نہیں تھی، اس لئے رفتہ رفتہ دوسرے فرقوں میں جذب ہو کر ختم ہوگئی۔ اسماعیلیہ تحریک بھی اسی مقدر سے دوچار ہوئی۔

اسماعیلیہ فرقہ پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں ہجری میں اس قدر قوی تھا کہ اس نے خلافت میں ایک دھماکہ جیسی کیفیت پیدا کردی تھی، الموت، طبس اور بیرجند کے عوام میں اس کے عقائد و نظریات اس قدر مقبول تھے کہ ان علاقوں میں اس فرقہ نے بڑے بڑے انقلابات برپا کردئے اور سلجوقیوں کی حکومت اور ان کے اقتدار کو بے دست وپا کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر وہ بھی چونکہ پیغام کو نظام کی منزل تک نہ پہنچا سکے اس لئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تحریک بھی جمود وانحراف کا شکار ہو کر رہ گئی۔

مگر ائمہ معصومین علیہم السلام کی خداداد حکمت عملی کی بنیاد یہ رہی ہے کہ پیغام کو اقدام کا جڑواں بنا کر اسے نظام کی شکل میں لے آیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ ہمیشہ اپنے تشخص، اپنے مذہب کی خصوصیت اور اسلامی انقلاب کی ماہیت کی حفاظت کرنے کے قابل رہے۔

ائمہ عترت علیہم السلام کی حکمت عملی کا مکمل مقصد اسلام کی حفاظت، مکتب کا دفاع اور اسلام دشمن قوتوں سے مستقل نبرد آزمائی تھا۔ انہوں نے وقت کی ضرورت اور حالات کے لحاظ سے مختلف عنوان کے طریقہ کار اپنائے۔ کبھی مسلحانہ تحریک، کبھی گہری فکری جنگ اور علوم ومعارف اسلامی کی اشاعت اور کبھی دعاؤں کے ذریعہ پیغام رسانی کے اس عظیم فریضہ کو انجام دیا ہے۔

شیعہ قیادت کبھی بھی اصول کو پس پشت ڈال کر عمل زدگی کا شکار نہیں ہوئی اور اس نے کیسانیہ اور زید یہ تحریکوں کے برخلاف فقط سیاست پر نظر نہیں رکھی بلکہ ساری توجہ اصول ونظریات پر

مرکوز رکھی۔

ہمارے ائمہ نے ہمیشہ اقدام کو پیغام کے ساتھ رکھا اور اس کے بعد نظام کی صورت میں پیغام کی تدوین کی ضرورت پر بہت زیادہ توجہ دی ۔ ہماری تاریخ میں (فکری کاوشوں جیسے) نہج البلاغہ ہمیشہ آگے رہا اور صفین اور جمل جیسی کوششیں پیچھے رہی ہیں ۔ ہماری امامیہ تحریک کو ہمیشہ سر حسینؑ، حوصلۂ زینب (س) اور صبر سجادؑ کی پشت پناہی حاصل رہی۔ زینب (س) اور امام سید سجادؑ نے پیغام کو منتقل کیا اور اس کے بعد امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے پیغام کو نظام کی منزل تک پہنچایا۔

امام جعفر صادقؑ مظہر نظام و تدوین پیغام۔

امام جعفر صادقؑ نے مکتب کی تدوین کی حکمت عملی سے ہشام اور منصور کی قوت کو ناکارہ کر دیا اور امامت کے مقدس مقصد کو صحیح تعلیمات اسلام کی تدوین کے ذریعہ نظام کی صورت میں لاکر مستحکم کر دیا۔ اس کے بعد شیعہ تحریک ایسی بے خوف وخطر ہو گئی کہ بدترین حالات ظلم وستم، حبس، درباری نظام کے حملوں اور وابستہ عناصر کے باوجود شیعہ تحریک دنیا کے ہر گوشے میں پھیلی اور تاریخ میں سچے اسلامی انقلاب کا جھنڈا لہرا کر رہی۔

ان حقائق کو نگاہ میں رکھتے ہوئے قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امامؑ نے اس دور کو شیعہ مسلک کی تبلیغ اور نظریات کی تدوین کے معرکے کیلئے کیوں مناسب سمجھا ؟ درحقیقت دین کی استدالی تدوین واشاعت چند اعتبار سے بہت ضروری تھی ۔

نظام کی ضرورت

(الف) اولاً اس وجہ سے کہ اس سے پہلے کے دور میں جہاد بالسّیف، سیاسی اقتدار اور ظلم وستم، مصائب اور گھٹن کے ماحول میں ائمہ اہلبیتؑ کے نقطہ نظر کی تدوین واستدلالی انداز میں اشاعت کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اکثر ذہنوں میں شیعہ عقائد کے اکثر گوشے واضح نہیں ہو سکے جب کہ اس کے انقلابی اور نزاعی پہلو زیادہ سختی کے ساتھ ذہن نشین تھے۔ ان عقائد اور فکری بنیادوں کا غیر واضح ہونا انحراف اور تفرقہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس زمانے میں شیعوں میں کیسانیہ اور زیدیہ کی طرح دوسرے فرقے بھی وجود میں آگئے تھے۔ ان مسلکوں اور فرقوں کی تمام تر توجہ سیاسی اور جنگی مسائل کی جانب تھی اور عقیدہ امامت سے بخوبی واقف نہ ہونے کی وجہ سے وہ حقیقی ائمہ کی رہبری سے دور تھے۔

لہٰذا اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ جلد از جلد فقہی وکلامی مسائل کی اشاعت کے لئے شیعی نظریات کی تدوین ہو جائے۔

(ب) گذشتہ ہادیان دین کی کوششوں کے نتیجہ میں بالخصوص عاشورائے حسینی کے بعد سیاسی نقطہ نظر سے شیعہ کافی مضبوط ہو گئے تھے۔ ان کا وجود دائمی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اب اس بات کی ضرورت تھی کہ ان کی فکر اور ان کے عقیدے کی جڑوں کو مضبوط کیا جائے۔

بیگانہ افکار کی یورش

''مکتب فکر'' کی تدوین اور اس کی استدلالی اشاعت کی تیسری وجہ یہ تھی کہ اسی زمانہ میں ایک طرف یونان ، ہند اور قدیم ایران کا فکری اور فلسفی روانی ، مسیحی ، بودھ ،زردشتی ، مانوی اور مزد کی عقائد کی روانی ، راہبانہ اور صوفیانہ مسالک کی کشش ،تو دوسری طرف یونانی فلسفیوں کے ڈیموکریسی ، نوافلاطونی اور ارسطوی مکاتب فکر دنیائے اسلام میں نفوذ کر رہے تھے ۔غیر مسلموں کی تحریروں کے ترجمے اور کلامی بحث ومناظرے شروع ہو چکے تھے ۔اس طرح اس زمانے میں پیغام حق اسلام کے وجود کو سیاسی خطرہ سے زیادہ فکری ،تہذیبی اور دوسرے نظاموں اور مسالک کی فکری وتہذیبی یلغار کا خطرہ تھا۔ اسی وجہ سے امام باقرؑ اور اس کے بعد امام صادقؑ ، جو قوم کے حقیقی رہنما اور اسلام کی عزّت کے نگہبان تھے ،نظریاتی محاذ پر اسلام کے دفاع کی کوشش کی۔

امام جعفر صادقؑ کا دور عالم اسلام میں رخنہ اندازی کا دور تھا اور غیر اسلامی افکار ونظریات کے نفوذ کا دور تھا۔ یونانی افکار ،بودائی خیال، مسیحی، مزدکی اور الحادی نظریات اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ 'مشرق زدہ' اور' مغرب زدہ' افراد مسلمانوں کو کھلّم کھلاّ دعوت مناظرہ دے رہے تھے اور اسلام سے مقابلے پر اتر آئے تھے۔ ان غیر اسلامی افکار کے پھیلنے کے مندرجہ ذیل اسباب تھے :

(الف) دنیائے اسلام کی جغرافیائی سرحدوں کی توسیع کی وجہ سے اسکندریہ، ہرات اور گندیشاپور جیسے اسلامی افکار کے مراکز عالم اسلام میں شامل ہوگئے تھے اور غیر اسلامی مفکرین دنیائے اسلام کو پراگندہ کررہے تھے۔

(ب) صاحبان اقتدار کی ہمت افزائی اور سرپرستی نے جو معاشرے کی توجہ اصلی مسائل اجتماعی و سیاسی و دینی درد کی طرف سے ہٹاکر فروعی مسائل کی طرف مبذول کر کے غیر اسلامی فلسفی

اور کلامی افکار کو تقویت دی تھی۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ اسلام کے اصلی نظریات کی روشنی میں متعلقہ فقہ، کلام اور فلسفہ وغیرہ کو مدون کیا جائے تا کہ معاشرہ فکری حیرانی اور مذہبی آوارگی سے دو چار نہ ہونے پائے۔مگر امام جعفرؑ صادق ایک طرف تو اپنی تمام تر توجہ ''فردسازی''، ''امت سازی'' اور دین ومکتب کی اشاعت پر مرکوز کئے ہوئے تھے اور دوسری، سیاسی واجتماعی معرکہ آرائی اور انقلابی سرگرمیوں سے بھی غافل نہ تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی اولاد میں کچھ نے مسلح قیام کی ابتدا کی اور ایسے زبردست انقلاب بر پا کئے جن کا تذکرہ وتفصیلی بیان ان مختصراوراق میں ممکن نہیں ہے۔

درباری اسلام کا مقابلہ

اسی زمانہ میں برسر اقتدارنظام ''درباری اسلام'' کی تدوین کی فکر میں تھا اور اسے ''حقیقی اسلام'' کے نام سے روشناس کر دینے کی فکر میں تھا، ایسا اسلام جو اموی اور عبّاسی خلفا کی خودسری کے لئے سازگار اور اس وقت کی ''موجودصورت حال'' کا محافظ ہو۔حکومت سے وابستہ محدثین، فقہا اور خطیب اس سلسلے میں شدّت سے کوششیں کر رہے تھے۔ہزاروں جعلی حدیثیں عام ہوچکی تھیں۔ اس بات کا زبردست خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں اسلام کی انقلابی تعلیمات کو بدل نہ دیا جائے اور فراموش نہ کر دیا جائے۔ ان حالات میں حکومت سے سیاسی یا فوجی مقابلہ سے زیادہ ضروری تھا کہ حقیقی اسلام سے ''نظریاتی مقابلہ'' کی تدوین کی جائے۔

اسی دور میں حکمراں طبقہ نے بعض وابستہ عناصر کو اپنا آلہ کار بنا لیا تھا تا کہ وہ حالات کے مطابق نظام اسلام کی رسمی تفسیر کریں،اس طرح حقائق اسلامی کی غلط تفاسیر اور اسلام کے اصلی چہرہ کے مسخ ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اسی وجہ سے پانچویں اور چھٹے امامؑ نے تدوین مکتب کے کام کو اپنی سرگرمی کا محور بنایا۔

سیاسی صورتحال

پہلی بار اس زمانے کے سیاسی حالات نے اس قدر مہلت دی تھی کہ شیعہ نسبتاً آزاد فضا میں اپنے عقائد کے نقوش کو واضح کر سکیں۔اس زمانے میں بنی امیہ کی حکومت تباہی کی طرف جارہی تھی۔ اسلامی مملکت کے اطراف و جوانب میں مسلح تحریکیں سراٹھا رہی تھیں، اموی اقتدار روبہ زوال تھا اور

عباسیوں کا استبداد ابھی برسراقتدار نہیں آیا تھا۔ دشمنان شیعہ آپس میں ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے۔ نتیجہ کے طور پر شیعوں کو اہل بیتؑ کی تہذیب کی تبلیغ اور ترویج کے لئے مناسب موقع مل گیا تھا۔

سیاسی نکتہ نظر سے امام جعفر صادقؑ کا دور امویوں اور عباسیوں کے بیچ سخت سیاسی رقابت، سرمایہ دارانہ جنگ اور اقتدار کی کشمکش کا دور تھا۔ ایک طرف اموی دور حکومت کا زوال ہو رہا تھا، دوسری طرف عباسی اقتدار بڑھ رہا تھا۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ دونوں دیوپیکر قوتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا رہی تھیں۔ اس طرح مدینہ میں جو یہ مختصر سنہرا موقع ہاتھ آگیا تھا اگر وہ ضائع ہو جاتا تو شاید دوبارہ ایسا موقع ہاتھ نہ آتا۔ یہ حالات امام محمد باقرؑ کے دور سے شروع ہوئے اور امام صادقؑ کے دور میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اسی وجہ سے امام باقرؑ اور امام صادقؑ نے اس غیر معمولی نادر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاگردوں کی تربیت اور معارف اسلام کی تبلیغ کا کام اپنے ذمّہ لے لیا۔ امام صادقؑ نے اپنے شاگردوں کی ایسی تربیت کی کہ ان کا ہر شاگرد معارف اسلامی کے کسی نہ کسی شاخ کا رکن رکین اور انسانی علوم و آگہی کا بانی بن گیا۔

انہیں وجوہات کی بنا پر امام محمد باقرؑ کے زمانے سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جو شیعہ نظریات کی تدوین اور اس کو استدلالی طریقے سے پیش کرنے اور فکری و تہذیبی بنیادوں کو مستحکم کرنے کا دور ہے۔ امام باقرؑ کے زمانے میں اس دور کا آغاز ہوا اور امام صادقؑ کے زمانے میں یہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

۹۶ھ میں ولید کی موت ہوئی۔ اس کے بعد سلیمان بن عبد الملک اس کا جانشین ہوا۔ اس نے بارہ سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد علی الترتیب عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبد الملک اور ہشام بن عبدالملک مسند خلافت پر قابض ہوئے۔

ولید عبدالملک کی موت کے بعد امویوں کی طاقتور حکومت زوال پذیر ہونے لگی۔ سلیمان بن عبدالملک جو ولید کا جانشین ہوا، عیّاش تھا اور انتظامی لحاظ سے عبدالملک اور ولید کا ہم پلّہ نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس کے دور میں امور حکومت کی بنیاد میں نمایاں کمزوریاں واقع ہوئیں۔

سلیمان کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے دو سال پانچ ماہ حکومت کی۔ اموی خلفاء میں عمر بن عبدالعزیز ہی وہ تنہا خلیفہ تھا جس نے ظلم وستم سے اجتناب کیا عمر بن عبد العزیز، جو اموی درباریوں کے ہاتھوں ختم کر دیا گیا، یزید بن عبدالملک برسراقتدار آیا۔ اس نے چار سال ایک ماہ حکومت کی، مگر وہ بھی زیادہ تر محل اور عیش ونوش میں مشغول تھا اور بنی امیہ کے جلد زوال کا باعث بنا، یہاں تک کہ حکومت کی

باگ ڈور ہشام بن عبد الملک کے ہاتھوں میں آ گئی۔

جب ہشام نے عنان حکومت سنبھالی ، اس وقت عراق اور اطراف میں مرکزی حکومت کا والی خالد القسری تھا۔ اس نے شیعوں کے لئے نسبتاً نرمی دکھائی مگر شیعیان علیؑ کے ساتھ اس کی نرمی کا حال جلد ہی حکومت پر کھل سا گیا۔ چنانچہ اسے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ یوسف بن عمر الثقفی کو جوخون آشام اور جلاّد حاکموں میں سے تھا ، حاکم مقرّر کیا گیا ۔ چنانچہ پھر سرکوبی اور ظلم کی سیاست بحال ہوگئی ۔مشہور مورّخ دینوری نے لکھاہے'' لا یدع احداً یعرف بموالاۃبنی ھاشم و مودّۃ اھل بیت رسول اللّٰہ الاّ بعث الیہ مجسیہ عندہ بواسط'' یعنی 'جو بھی بنی ہاشم سے کچھ تعلق رکھتا تھا اسے قید میں ڈال دیا گیا۔

ولید کے بعد اموی حکومت کی حالت کافی سقیم تھی۔ دنیائے اسلام میں چاروں طرف تحریکیں اور بغاوتیں سر اٹھا رہی تھیں اور ارباب حل وعقد ان شورشوں کو دبانے میں شب وروز مشغول تھے۔ دوسری بات یہ ہے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ کر بلا میں کا رنامۂ حسینی اورحضرت زینب(س) وسید سجادؑ کے افشائے حقیقت کی وجہ سے یزید کے بعداموی خلفاء کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اماموں سے براہ راست اُلجھنے یا انہیں قید کر نے سے گریز کریں۔ چنانچہ انہوں نے منافقانہ طرز عمل اختیار کیا یعنی امام سے غیر معمولی عداوت ودشمنی کے باوجود عوام النّاس کے سامنے ان کی عزت واحترام کا مظاہرہ کرنے لگے۔

امام جعفر صادقؑ کے عظیم کارنامے

امام جعفر صادقؑ نے شیعت کو خطرات سے محفوظ کیا اور اسلام کی اصل تعلیمات کو اس حد تک پھیلادیا کہ صاحبان زر وہوس اور اپنے زمانے کے بلعم باعوروں ، قارونوں اور فرعونوں کیلئے اسلام کی صورت مسخ کرنا یا اسلام کو اصلی شکل کی جگہ کسی دوسری نقلی صورت میں اتارنا۔ اس عظیم کار نامے میں امام جعفر صادقؑ کی کاوشوں کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ شیعہ مذہب کو'' مذہب جعفری'' کہا جانے لگا۔ امام باقرؑ کے زمانے تک شیعت پیغام کی حالت میں تھی امام جعفر صادقؑ نے اسے نظام کی منزل تک پہنچایا۔

امام جعفر صادقؑ نے اپنے نظریات کو درج ذیل طریقوں سے پیش کیا

(۱) شاگردوں کی تربیت کے ذریعہ
(۲) پیغمبر اور ائمہ سلف کی احادیث کی روایت کے ذریعہ
(۳) شیعہ فقہی نظام کی تدوین کے ذریعہ
(۴) شیعوں کی اعتقادی اور کلامی روش کی وضاحت کے ذریعہ

علمی وفکری میدان

علمی وفکری میدا ن میں امام جعفر صادقؑ کے کار ہائے نمایاں اس قدر عظمت اور اہمیت کے حامل ہیں کہ اسلام اور تمام دنیا کے صف اوّل کے مفکرین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ صاحب بن عباد (متوفی ۳۸۵ھ) جو تاریخ اسلام میں ممتاز ترین دانشور شمار کیا جاتا ہے، کہتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد امام صادقؑ سے بڑا دانشور مذہب اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔

مگر وہ عرفان جس کے پیشوا ہمارے امامؑ تھے، وہ صوفیوں کے انحطاط پذیر عرفان سے قطعی مختلف ہے۔ ہمارے ائمہ حقیقی اسلامی عرفان کے مظہر تھے۔ ایسا عرفان جو معاشرہ سے گریز اور وحدت الوجود کے متعلق نظریاتی تانہ بانہ بننے پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایسا عرفان ہے جس کی بنیاد توجیہ اسلامی اور وحدت پر ہے۔

فقہ وحدیث کی تدوین

امام صادقؑ صرف شیعت ہی کو ''نظام'' کی صورت میں نہیں لائے بلکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں فقہ کی تدوین کی۔ کیونکہ سنیوں کے چاروں امام جو چار فقہوں کے بانی ہیں، بالواسطہ یا بلا واسطہ امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔ ابوحنیفہ جو اہل سنت میں فقہ کے سب سے پہلے تدوین کنندہ ہیں امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں تھے۔ دو سال خدمت امامؑ سے استفادہ کرتے رہے اور وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ: لو لا السّنتان لهلک النّعمان ''یعنی اگر وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان (ابوحنیفہ) ہلاک ہو جاتا۔

ہمارے ائمہ خورشید جہاں تاب تھے جن کی بارگاہ سے اسلام کے تمام فرقوں حتّٰی کہ غیر

مسلموں تک نے استفادہ کیا ہے۔ امامؑ کے درس میں صرف اہل سنت کے فقہی وکلامی مکاتب کے بانی ہی نہیں بلکہ نصاریٰ اور صائبین کے دانشور تک حاضر ہوتے تھے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کہتے ہیں:

'' مسلمان اور کافر سب بارگاہ امام جعفر صادقؑ میں حاضر رہا کرتے تھے اور ان کے خوان فضل سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔

ایک مغربی مصنف لکھتا ہے:

''جب ہم مسلمان قوم کی تاریخ میں امام جعفر صادقؑ کے دور کا ان کے پہلے کے دور سے مقابلہ کرتے ہیں تو بالکل نور اور ظلمت کا مقابلہ معلوم ہوتا ہے'' ۲

علوم جدید:

واضح رہے کہ امام جعفر صادقؑ کی بارگاہ درس میں صرف ''منقولات'' ہی کی تدریس نہیں ہوتی تھی بلکہ ''تجرباتی علوم'' اور فلسفہ کی تعلیم کا بھی اہتمام بھی تھا۔ چھٹے امامؑ نے صرف فقہ کی تدوین یا تفسیر و حدیث اور کلام ہی کو وسعت نہیں دی بلکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علوم طبیعی (Natural Sciences) ہیئت (Astronomy) اور طبیعات (Physics) کو بھی وسیع پیمانے پر مرتب کیا۔ امام جعفر صادقؑ سے پہلے امام محمد باقرؑ نے بھی طبیعات اور جغرافیہ کا درس دیا تھا مگر امام جعفر صادقؑ نے ان علوم کو وسعت دی۔ اسٹریٹس برگ کی تحقیقاتی درس گاہ کے دانشور جو یورپ کے مشہور ماہرین اسلامیات ہیں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کو پرنیکس Coopernius کا زمین کے گرد سورج کی گردش کا نظریہ جو قرون آخر کے سائنسی مسلّمات میں سمجھا جاتا ہے، اس سے ہزار سال قبل امام جعفر صادقؑ نے سورج کے گرد زمین کی گردش کا اعلان کیا تھا جس سے پہلے کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ پہلی بار امام صادقؑ نے یہ اعلان کیا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور یہ دن رات اسی روزانہ کی گردش کا نتیجہ ہیں۔ یورپی مفکر لکھتا ہے کہ: ''ان حالات میں صرف وہی ان حقائق کا سراغ پا سکتا تھا جو غیر معمولی عقل کا مالک ہو اور وہی بغیر کسی وسیلہ کے ایک ایسی حقیقت تک پہنچ سکتا تھا جس کا اظہار اس کے پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔'' ۳

وہ مغربی مفکر یہ کیا جانے کہ امام جعفر صادقؑ کی ہستی وہ ہے جس کا براہ راست رابطہ آسمانی علم کے سرچشمے سے ہے۔ کسی ایسے شخص کے لئے جو وحی، الہام، علم وہبی اور انبیاء اور ائمہ کی خصوصی

قوتوں اور کرامتوں کا معتقد نہ ہو، اس امر کی توجیہ مشکل ہے کہ کپلر اور کو پرنیکس کے نظریات پیش کرنے کے کم وبیش ہزار سال قبل امام جعفر صادقؑ نے یہ کس طرح بتا دیا کہ زمین گول ہے اور وہ آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے، وہ بھی ایسی صورت میں کہ اس دور کے قسطنطنیہ، اسکندریہ، انطاکیہ اور گندیشاپور جیسے علمی مراکز سے مدینہ دور تھا۔ ائمہ اور انبیاء اختیارات کے مالک کامل انسان ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ تمام حقائق کو براہ راست بغیر کسی درمیانی پردہ کے دیکھ لیتے ہیں۔

وحی، الہام، اشراق وتعقل اور تجربہ یہ سب کسب معرفت اور کشف حقیقت کے مختلف و سائل ہیں، مگر وحی اور الہام کے ذریعہ جو حقائق روشن ہوتے ہیں وہ پختہ ہوتے ہیں جبکہ تعقل و تجربہ کے وسیلہ سے حاصل ہونے والے حقائق ناقص اور رفتہ رفتہ حاصل ہوتے ہیں۔

اسٹرس برگ کی درسگاہ کے دانشور اس نتیجہ پر بھی پہنچتے ہیں کہ تاریخ انسانی میں امام صادقؑ نے پہلی بار ارسطو کے طبیعاتی نظریہ کے خلاف یہ بتایا تھا کہ مٹی اور ہوا خالص عناصر نہیں بلکہ دوسرے عناصر سے مرکب ہیں۔ اس زمانے بلکہ اس سے بھی سینکڑوں سال بعد تک عناصر اربعہ علم الاشیاء کے ارکان میں سے سمجھے جاتے تھے، بقول ایک یوروپی محقق کے: ''امام جعفر صادقؑ نے اٹھارویں صدی عیسوی کے علماء سے گیارہ سو برس قبل ہوا کے اجزاء کا انکشاف کیا اور بتایا کہ ہوا، تنہا ایک عنصر نہیں ہے بلکہ اور کئی عناصر کا مرکّب ہے، ارسطو کے بعد تک کے دنیائے طبیعات کے ممتاز دانشمند یہ نہیں جانتے تھے کہ ہوا، کوئی عنصر (elemen) نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی میں ارسطو کے دور سے لاوازیہ کے دور تک اکثر دانشور ہوا کو ایک عنصر سمجھتے تھے۔ جب لاوازیہ نے ہوا میں موجود دیگر گیسوں سے آکسیجن کو الگ کیا اور ثابت کیا کہ آکسیجن سانس میں اور جلانے میں بہت بڑا اثر رکھتی ہے تو اس کے بعد سائنس دانوں کی اکثریت نے اس بات کو مانا کہ ہوا کہ ایک عنصر نہیں ہے بلکہ چند گیسوں کا مرکب ہے۔ اس طرح امام جعفر صادقؑ اپنے وقت سے گیارہ سو برس قبل پیدا ہوئے تھے۔[۴]

امام جعفر صادقؑ نے نہ صرف یہ انکشاف کیا کہ ہوا چند عناصر کا مرکب ہے بلکہ یہ بھی بتایا کہ ہوا میں موجود تمام عناصر تنفّس کے لئے ضروری ہیں۔ حتّٰی کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں لاوزایہ کے آکسیجن کے انکشاف کے بعد بھی ہوا میں موجود دیگر گیسوں کو ہوا کے اعتبار سے بے فائدہ سمجھتے رہے اور انیسوی صدی عیسوی کے نصف آخر میں انہوں نے اپنے نظریہ کی اصلاح کی اور اس نکتہ پر متّفق ہوئے کہ ہوا میں موجود دیگر گیسیں اگر آکسیجن کے ساتھ شامل نہ ہوتے تو تمام ذی روح کا

پھیپھڑا جل جاتا اور ان کا وجود ختم ہو جاتا ۔ لہٰذا آکسیجن کے ساتھ ہوا میں موجود دیگر گیسوں کی شمولیت بھی حیات کا لازمہ ہے ۔ اس طرح بارہ سو برس دنیائے علم نے امام جعفر صادقؑ کے قول کی تصدیق کی کہ ہوا میں موجود تمام گیس تنفّس کے لئے ضروری ہیں ۔۵

اسی طرح چھٹے امامؑ نے فرمایا کہ :'ہم لوہے کو لکڑی کی طرح جلا سکتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے کہ لوہے کو اگر اس طرح گرم کیا جائے کہ وہ سرخ ہو جائے، اس کے بعد اسے خالص آکسیجن میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ اس طرح اس میں آگ لگ جاتی ہے ، ایسا چراغ بن سکتا ہے جس کا فلیتہ لوہے کا ہو۔ بہر حال لاواز یہ تک اس نکتہ پر نہیں پہنچ سکا تھا مگر امام صادقؑ نے لاواز یہ اور پریسٹلی سے بھی بہتر آکسیجن کے خواص کو ان سے بہت پہلے بتادیا تھا ۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت جو علم وہبی کے چشمہ لایزال سے سیراب ہوتے رہے ہیں نہ صرف انہوں نے مذہبی معنوی اور روحانی علوم پھیلائے ہیں بلکہ علم جغرافیہ اور دیگر علوم میں انسانیت کے لئے نئے افق کھول دیے۔ یہ عمل اسلام کی بصیرت اور 'جہاں بینی' کا مظہر ہے ، جو دین کو دنیا سے اور روح کو مادّہ سے جدا اور بے ربط نہیں سمجھتا اور ''دین''، ''دانش''، ''علم''، ''مذہب''، ''الہام''، ''عقل'' اور ''تجربہ'' کے درمیان تضاد کا قائل نہیں ہے ۔ائمہ نے اپنے عمل کے ذریعہ اپنے پیروؤں پر یہ ظاہر کردیا کہ صرف علوم مذہبی میں ہی نہیں بلکہ طبیعی اور انسانی دانش کی قلمرو میں بھی تمام ملّتوں اور قوموں کے آگے آگے چلنا چاہئے ۔

منشاء عرفان:

شیعہ ائمہ متعدّد جہات کے مالک تھے۔ وہ بے عیب انسان کامل تھے۔ ایک طرف تو وہ فکری کمالات کے مالک تھے اور دوسری طرف اخلاقی اور عملی کمالات کے ساتھ ربّانی روحانی مدارج کے حامل بھی تھے۔ امام جعفر صادقؑ جو صرف شیعہ ہی خدائی رہبر اور معصوم نہیں مانتے ہیں بلکہ تمام غیر شیعہ مسلمان بھی روحانی مقامات کی حیثیت سے انہیں دنیا کے عرفا کا پیشوا مانتے ہیں۔تمام عرفا کا سلسلہ امیر المومنینؑ پر ختم ہوتا ہے اور امام جعفر صادقؑ بھی جیسا کہ عرفا کے اقطاب نے اقرار کیا ہے ، مثلاً شیخ عطار نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں زمخشری نے ''ربیع الابرار'' میں اور ابو الحسن خرقانی نے بھی اس کا اقرار کیا ہے کہ آپ دنیا کے عرفا کے پیشوا تھے ۔

حوالے:

۱۔یہ جملہ اہلسنت کے برگزیدہ عالم عبد الحق نے شیعوں کی رد میں لکھی جانے والی ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں نقل کیا ہے۔

۲۔مغز متفکر جہان شیعہ، مرکز تحقیقاتی اسٹرس برگ ،ص۶۹و ۷۰۔

۳۔مغز متفکر جہان شیعہ،ص ۹۵۔

۴۔مغز متفکر جہان شیعہ،ص۶۰و ۶۱

۵۔ایضاً۔